لطیفہ ۵۰

نفس، روح اور قلب کی معرفت کا بیان نیز اس میں روحوں کے قبض ہونے، فرشتوں کے ظاہر ہونے اور موت کی تمنا کرنے کا ذکر ہے

قال الاشرفؒ :

النفس غبار ظلمانی یبعث فی القلب، والروح جوھرنورانی، والجسم حادث ظلمانی۔

یعنی سید اشرف جہاں گیرؒ نے فرمایا، نفس تاریک غبار ہے جو دل سے اٹھتا ہے، روح نورانی جوہر ہے اور جسم فانی تاریکی ہے۔

فرمایا، معرفت کی کیفیت سے متعلق ہر گروہ کی تعبیر ایک دوسرے سے مختلف ہے اور یہ فقیر بھی کہتا ہے کہ نفس ایک تاریک غبار ہے جو دل کے کان سے اٹھتا ہے۔ اس سے شیطانی وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نفس کے سمندر کی لہریں تموج میں آئیں تو بے جا خواہشوں کا خیال دل میں جم جاتا ہے اور گناہوں کا سودا سر میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان برے افعال کی جانب قدم بڑھاتا ہے اور غیر اللہ سے مشغول ہوجاتا ہے بے شک نفس طالب ومطلوب کے درمیان برزخ ہے، جب تک یہ رکاوٹ دور نہ ہوجائے اس وقت تک عبد ومعبود کے درمیان پڑا ہوا پردہ نہیں اٹھتا۔

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ دل کے دو رخ ہیں۔ اس کا ایک رخ عالم علوی کی طرف اور دوسرا رُخ عالم سفلی کی طرف ہوتا ہے۔ وہ رُخ جو لطائف ربانی کے ادراک کے قابل ہوتا ہے اور جس میں انوارِ الٰہی جلوہ گر ہوتے ہیں اُن لطائف سے ظہور میں آتا ہے جنھیں حافظہ، مدرکہ، متفکرہ، اور متخیلہ وغیرہ کہتے ہیں۔ جو ہر انسانی کی حقیقت یہی ہے۔ چونکہ ان حواسِ

باطنی میں سے ہر حاسہ لطیفۂ قلب سے ظہور میں آتا ہے، اس لیے واضح طور پر نظر آتا ہے۔ تمام حواسوں کا رجحان عالمِ علوی کی جانب ہوتا ہے اور نفس تمام اعضا و جوارح کے ساتھ دل کا تابع ہوتا ہے، کہ **انّ فی جسد بنی اٰدم لمضغة اذا صلحت صلح بھاسائر الجسدو اذا فسدت فسد بھاسائر الجسد الاوھی القلب**۔ یعنی بے شک بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اس میں فساد ہوتا ہے تو سارے جسم میں فساد ہوتا ہے۔ جان لو کہ وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے۔ (الحدیث) ابیات:

دو صفت در تو ہست چشم کشا
یک فرش تست ودیگر عرشِ خدا [۱]

ترجمہ: اے مخاطب! تجھ میں دو صفتیں ہیں ذرا آنکھ کھول کر دیکھ ایک فرش زمین ہے اور دوسری صفت عرش الٰہی ہے۔

اہل فرش از سپہرِ جاں دور اند
عرشیاں ہمچو خور برآں نور اند

ترجمہ: پس جو لوگ پستی میں رہتے ہیں وہ روح کی بلندی سے دور ہیں، عرش والے خورشید کی مانند منور ہوتے ہیں۔

رو بعرشے کن وگراں نفسی
سوئے چاہے مرو اگر انسی

ترجمہ: اگر تو سخت جان ہے تو اپنا رخ عرش کی جانب کر۔ اگر انسان ہے تو کنویں میں مت گر۔

جب قلب کی لوح رحمان کے عرش کے مقابل ہوتی ہے تو وہاں سے ہر لحظہ فیوض حاصل کرتی ہے، پھر قلب اُن انوار کو اعضا و جوارح تک پہنچاتا ہے، جس کے نتیجے میں عالمِ باطن کی ہر شے شریعت کی قید میں مقید ہوجاتی ہے۔ اہلِ دل اگر چہ صورتاً خاکی ہوتے ہیں لیکن حقیقت کے عالم میں عرش الٰہی کے نیچے ملائکہ کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔ وہ فرشی نہیں رہتے بلکہ عرشی ہوجاتے ہیں۔

اس کے برعکس قلب کا وہ رخ جو عالم سفلی کی جانب ہوتا ہے، جسے نفس بھی کہتے ہیں، حددرجے مکدر اور کثیف ہوتا ہے۔ قلب کے اس رخ کو یعنی نفس کو کھانے پینے کی چیزوں سے رغبت رہتی ہے اور اس کا میلان طبیعت ہی کی طرف رہتا ہے کیوں کہ اس کا ظہور مشقت سے ہوا ہے اس لیے اپنے مرکز اصل کی جانب مایل رہتا ہے۔ انسانی وجود قلعے کے پانچ دروازوں (حواسِ خمسہ) میں محصور ہوکر لطائف ربانی سے محروم رہتا ہے۔ ہر حِس کو اس کی حالت کے مطابق غذا ملتی ہے۔ وہ حالت بھی اس عالم کی مثل ہے۔ بندے کا اس طرح ثابت قدم نہ رہنا اور غیر اللہ سے راضی ہوجانا بھی اس کے حجاب میں رہنے کا موجب ہے۔ حواس خمسہ اس عالم سے جو علم حاصل کرتے ہیں اس کے باعث بھی حجاب میں رہتے ہیں۔ سلطان

---

[۱] (مطبوعہ نسخہ (ص ۲۶۳)، دوسرا مصرع وزن سے گرا ہوا ہے، شاید اس طرح ہو "یک صفت فرش ست دگر عرش خدا" واللہ اعلم)

العارفین کا قول ہے، للنفس صفة لا تسکن الا بالباطل یعنی نفس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسے باطل ہی سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ نفس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ باطل پر مبنی ہوتا ہے لیکن حقیقتِ عالم باطل نہیں ہے البتہ نفس کی بیشتر حرکات وسکنات بائیں پہلو سے وارد ہوتی ہیں، اعدا غدوک نفسک التی بین جنبک یعنی تیرا سخت دشمن نفس ہے جس کا مقام تیرے پہلو میں ہے۔

علما کے درمیان عالم کی تین قسموں یعنی جوہر، جسم اور عرض میں تقسیم پر بھی اختلاف ہے (اگر یہ تقسیم صحیح مان لی جائے تو پھر) روح کیا ہے؟ وہ جسم ہے یا جوہر ہے (اس سوال کے جواب میں) بعضوں نے کہا ہے کہ روح جسم ہے کیوں کہ روح جسم میں آتی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ علما جو روح کو جوہر کہتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ روح کی حقیقت کسی کو بھی معلوم نہیں۔ ارشاد ربانی، قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [۱] (ترجمہ: آپ فرما دیجیے روح میرے رب کے امر سے ہے۔) اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، روح کی معرفت سے آگاہ نہ تھے بلکہ یہ معجزہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کی زیادہ تشریح نہ فرمائی (اور جواب کو سائل کی فہم کے دائرے میں رکھا)۔ اب رہی یہ بات کہ اہل دانش نے روح سے متعلق لاکھوں باریکیاں اور نکتے بیان کیے ہیں تو یہ روح سے متعلق ان کی تعبیرات ہیں نہ یہ کہ انھوں نے روح کی حقیقت بیان کی ہے۔

ارسطو نے الٰہیات میں تحریر کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ الوہیت کی معرفت حاصل کرے تو اس سے کہو کہ تم (پہلے اپنی فطرت کو تبدیل کر کے) دوسری فطرت حاصل کرو۔

امام فخر الدین رازیؒ [۲] نے فرمایا ہے کہ یہ بارِ وحی نبوت کے موافق ہے کہ حق تعالیٰ نے (قرآن حکیم میں) جسم کے مختلف مراتب کا ذکر کیا ہے، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِیْنٍ [۳] (ترجمہ: اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔) جب روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوا تو فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ [۴] (ترجمہ: پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا) یہ آیت پاک جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی کیفیت کے بارے میں تنبیہہ ہے کہ یہ عام قانون تغیر کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا نہیں ہے بلکہ اس تبدیلی کی نوعیت اُن نوعیّتوں سے قطعی مختلف ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسی بنا پر یہ فرمایا کہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ [۵] (پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔) اہل علم جو روح کی حقیقت پر غور کرتے ہیں وہ دراصل عالم سفلی وعلوی

---

[۱] پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۵۔

[۲] امام فخر الدین رازیؒ۔ ولادت ۵۴۳ یا ۵۴۴ھ، وفات ۶۰۶ ہجری ملاحظہ فرمائیں، امام رازی مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھ (بھارت) ۱۹۵۰ء۔

[۳] پارہ ۱۸۔ سور المومنون، آیت ۱۲۔

[۴] ایضاً آیت ۱۴ [۵] (ایضاً)

کے اجسام پر غور کرتے ہیں، جن کی آفرینش کا ایک معین قانون ہے۔ پس اگر وہ چاہتے ہیں کہ ربوبیت کی معرفت حاصل کریں تو اُن پر واجب ہے کہ پہلے دوسری فطرت اور دوسری عقل حاصل کریں، کیوں کہ اُن کی موجودہ فطرت وعقل کی زیادہ سے زیادہ حد جسم کی معرفت تک محدود ہے۔ (بلاشبہ) روح (کی معرفت) کے لیے دوسری نوعیت کی عقل اور فطرت درکار ہوتی ہے۔

امام محمد غزالیؒ ط۱ نے اس حدیث شریف کی تاویل کی ہے، **ان اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہ** یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ فرماتے ہیں:

"**ای نسبت ذات آدم بجسمه کنسبة الله مع العالم لا خارجا منه ولا منفصلا عنه وان کان موثر فیه من حیث التصرف والتدبیر۔**"

(آدم سے نسبتِ ذات کا مطلب ہے کہ آدم کے جسم سے اللہ تعالیٰ کی نسبت ویسی ہی ہے جیسی اس کی نسبت عالم سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم سے خارج ہے نہ اس سے جدا ہے۔ اس کے باوجود بہ اعتبار تصرف وتدبیر عالم میں موثر ہے۔)

بہر حال اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں روح میں سے ایک حصہ بخشا اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، پس جس قدر ہم روح کے بارے میں جانتے ہیں اسی قدر اس پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں کہ روح ایک امرِ واقعہ ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں تجسس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے؟ ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے کہ **ابهموا امّاابهم** اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ جس سے کو مبہم رکھا ہے اس مبہم رہنے دو۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ روح کے احکام اور تصرف کا مقام قلب ہے۔ اوامر ونواہی کے جملہ احکام اسی پارۂ گوشت پر نازل ہوتے ہیں جسے قلب کہتے ہیں، جہاں سے وہ اعضا وجوارح میں منتشر ہوجاتے ہیں۔ روح اور نفس کے درمیان قلب ہر آن منقلب ہوتا رہتا ہے اور جو صفت غالب ہوتی ہے، اپنا رُخ اسی جانب کرلیتا ہے۔ اگر صفتِ روح غالب ہوتی ہے اور نفس مغلوب ہوجاتا ہے تو قلب کا رخ روح کی جانب ہوجاتا ہے اور اگر نفس غالب ہوجائے اور روح مغلوب ہوجائے تو قلب کا رخ نفس کی جانب ہوجاتا ہے، اسی بنا پر اس کا نام قلب رکھا گیا ہے۔

ہر وہ شے جس کا ادراک حس کرتی ہے، اس کا تعلق ظاہری دنیا سے ہوتا ہے جسے عالم محسوسات اور وہ شے جس کا ادراک کسی حس سے نہ ہوسکے اس کا تعلق حقیقی عالم سے ہوتا ہے۔ نفس، روح اور قلب حقیقی عالم سے متعلق ہیں جن کا ادراک حس کے ذریعے نہیں ہوتا۔

اکثر حضرات کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی لطیفہ ہے جس کے نام نفس، روح اور قلب رکھ دیے گئے ہیں اور یہ لطیفہ معلوم اور

ط۱ (ابو حامد محمد بن غزالیؒ ۔ ۴۵۰ ہجری میں بمقام طوس پیدا ہوئے ۔ تاریخ اسلام میں امام غزالی کا مقام بہت بلند ہے ۔ ۵۰۵ ہجری میں وفات پائی ملاحظہ فرمائیں ''ارزش میراث صوفیہ'' مصنفہ عبدالحسین زریں کوب۔ تہران ۱۳۴۴ش۔ ص ۸۵)

قابل ادراک ہے۔ مثال کے طور پر نفس جان کے معنوں میں بھی آیا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ [۱] (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور حیوان کو بھی کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ یہ حیوان سوال کرنے والا نفس رکھتا ہے۔ روح کو بھی کہتے ہیں۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ارْجِعِىْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ○وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ○ [۲] (ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا) عقل کو بھی کہتے ہیں، اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا [۳] (اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے اُن کی موت کے وقت) اور شے کو کہتے ہیں وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ [۴] (اور وہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو) دوسری آیت ہے، اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ [۵] (بے شک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا)۔

اگر اسے ذات کہیں تو اس سے ’’ہستی‘‘ مراد ہوتی ہے، جو ہر اور جسم مراد نہیں ہوتا۔ ہستی کے لیے یہ چند الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔ عین، شے، نفس، وجود اور ذات۔ علم طبیعیات اور ریاضی میں یہ بات دوسری طرح کہی گئی ہے کہ لفظ ’’انسانیہ‘‘ شے واحد ہے جس میں بہت سی صفات مثلاً روح، نفس، عقل، علم اور جہل مجتمع ہیں۔ ایک سے زیادہ ناموں یا اختلاف سے مسمّٰی کا مختلف ہونا لازم نہیں آتا۔

حکما اور فلاسفہ کی کتب معقولات میں جس انداز سے مسائل بیان کیے گئے وہ تین طرح کے ہیں۔ اوّل وہ باتیں جو کتاب وسنت کے موافق ہیں، انھیں قبول کر لینا چاہیے، دوم وہ باتیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں۔ سوم وہ باتیں جو کتاب وسنت کے نہ موافق ہیں نہ مخالف، ان کے رد کرنے یا تسلیم کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ بنا بریں ان کی عقلیات میں جو کچھ ہے اسے علی الاطلاق نہ رد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ قبول کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[۱] پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیا، آیت ۳۵۔

[۲] پارہ ۳۰۔ سورہ الفجر، آیات ۲۷ تا ۳۰۔

[۳] پارہ ۲۴۔ سورہ الزمر، آیت ۴۲ [۴] پارہ ۱۔ سورہ البقرہ آیت ۹

[۵] ایضاً آیت ۵۴

احقر مترجم نے اس پیرے کا ترجمہ مطبوعہ نسخے کے متن کے مطابق کیا ہے، (ص ۲۶۴) لیکن اس پیرے کے نفس مضمون کو پیش نظر رکھا جائے تو بہت زیادہ سہو کتابت کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ آیات ۲ تا ۵ نفس اور جان سے متعلق ہیں۔ یہ ایک ساتھ نقل نہیں کی گئی ہیں۔ ہر آیت کے بعد دوسرا مضمون بیان ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے بے ربطی پیدا ہوگئی۔ مترجم کے قیاس میں یہ چاروں آیات مبارکہ اس جملے کے بعد نقل ہوئی ہوں گی:

مثال کے طور پر نفس جان کے معنوں میں بھی آیا ہے پھر تمام آیت کے بعد یہ تحریر ہوا ہوگا کہ:

(اس لطیفے کو) حیوان، روح، عقل اور شے بھی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم)

ارواح کی ملاقات کا ذکر

مجلس میں ارواح کی ملاقات کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ روحوں کے درمیان محبت ومعرفت اس دنیا سے زیادہ اُس دنیا میں ہوگی بلکہ محبت ومعرفت تو روحوں کا خاص حصہ ہے۔ برے لوگوں کو جہانِ آخرت میں کوئی نفع نہ ہوگا۔ البتہ ان کی روحوں کو اس قدر الفت ودوستی نصیب ہوگی، جس قدر اس دنیا میں تھی۔ نہ کم ہوگی نہ زیادہ ہوگی۔

مومن کے قلب کی خوبی

روحوں کے درمیان محبت والفت کی لطافت دوسری ہی نوعیت کی ہوتی ہے۔ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ حق تعالیٰ کے احوال واحکام بندے کے قلب پر ظاہر ہوتے ہیں وہاں سے اعضاو جوارح میں سرایت کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہر بات پہلے عرش پر ظاہر ہوتی ہے وہاں سے عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں سرایت کرتی ہے۔ اسی بنا پر قلب کو عرش ثانی کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کی وسعت اور پھیلاؤ عرش سے کم نہیں ہے۔

حدیث قدسی ہے، **لا یسعنی سمائی والارضی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن** ۔ یعنی میں اپنے آسمان اور اپنی زمین میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

فائدہ: یہ خصوصیت صرف مومن کے قلب کو حاصل ہے، اگر چہ کافر بھی دل رکھتا ہے لیکن مقصود کی حقیقت سے خالی ہے۔ نیز اس آیۂ کریمہ، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ[۱] (ترجمہ: بے شک اس میں ضرور نصیحت ہے اس کے لیے جو صاحب دل ہو۔) کا اشارہ ظہورِ احکام کے بیان سے متعلق ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قلب ہی ہو۔ پھر یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ (کسی نہ کسی صورت میں) حیوانات میں بھی احکام کا ظہور ہوتا ہے لیکن وہ قلب سے محروم ہیں۔ اسی بنا پر کافروں کے حق میں فرمایا گیا اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ[۲] (وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ)۔

خصوصیت کی دوسری جہت شرف کے لیے بھی ہوسکتی ہے، فرمایا رَبُّ العَرْشِ الْعَظِیْمِ[۳] (وہ عرش عظیم کا مالک ہے) اگر چہ اللہ تعالیٰ تمام اشیا کا رب ہے لیکن ربِّ عرش فرمانا جسمانیات پر عرش کا شرف ظاہر کرنا ہے۔

۱؎ پارہ ۲۶۔ سورہ ق، آیت ۳۷۔

۲؎ پارہ ۹۔ سورہ الاعراف آیت ۱۷۹۔

۳؎ پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۹۔

موت کا ذکر

مجلس میں موت کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا، اگر کوئی شخص ہمہ وقت موت اور عذاب کے فرشتوں کا ذکر کرتا رہے اور دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہو تو، اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے کیوں کہ بعض لوگوں میں خوف و ہراس سہنے کی قوت نہیں ہوتی۔ قوتِ برداشت اس وجہ سے کم ہوتی ہے کہ ان کا دل تنگ ہوتا ہے اور انہیں انشراح حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اُن کا دل کھل جائے تو خواہ ہزار طرح کے غم ہوں سب برداشت ہو جاتے ہیں۔ قلب کی سستی اور تنگی کا سبب یہ بھی ہے کہ جو احوال لوح، کرسی اور عرش وغیرہ سے نازل ہوتے ہیں قلب اُن سے کوئی اثر نہیں لیتا۔

موت کے ذکر سے اعضا اور جوارح کی حرکت رک جاتی ہے جیسے کہ ابن سیرینؒ کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے موت اور عذاب کا ذکر کیا جاتا تو اُن کے اعضا کی حرکت رک جاتی تھی۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کے سامنے موت کا ذکر کیا جاتا تو آپ کے جسم سے خون کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ موت کی اس دشواری اور تکلیف کے باوجود بعض لوگ موت کے ایسے مشتاق اور خواہشمند ہوتے ہیں کہ اسی کے منتظر رہتے ہیں اور دوسرا کوئی کام نہیں کرتے۔ رباعی:[۱]

گر ترا رائے مشورہ ترکست
پر بخت ہادریں جہاں مرگست
چوں ازیں دام گاہ اہرمن
جاں برند خاک بر سر تن

ترجمہ: اگر تجھے رائے اور مشورہ قبول نہیں (تو کیا کیا جائے) موت کی ایک مدت مقرر ہے۔ جب اہرمن کے جال کی جگہ سے جان لے جاتے ہیں تو جسم مٹی ہو جاتا ہے۔

بہر حال حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا خیال کوئی دل برداشت نہیں کر سکتا۔ وہاں بے شعوری کی کیفیت ہے اور فنا کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم میں ہوش و بے ہوشی، مسلم و کافر، شاہی وفقیری، قربت و خویشی اور مذہب و شیخی کی گنجائش نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خود فریبی ہے۔

---

[۱] یہ اشعار رباعی کے معروف وزن و بحر میں نہیں ہیں۔ مترجم کے لیے سب سے بڑی دقت سہو کتابت ہے۔ تیسرا اور چوتھا مصرع وزن سے گرا ہوا ہے۔ مترجم نے قیاسی ترجمہ کیا ہے۔

روح قبض ہونے کی تکلیف کا ذکر

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ قبضِ ارواح کی تکلیف لوگوں کے درجات کی نسبت سے ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں کی روحیں اتنی آسانی سے قبض ہوتی ہیں جیسے شربت پیتے ہیں۔ یہ نصیب چند اہل نعمت کو حاصل ہوتا ہے۔ شعر:

در کوئے توعشاق چناں جاں بد ہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

ترجمہ: تیرے کوچے میں عشاق اس طرح جان دیتے ہیں کہ موت کے فرشتے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

روحیں قبض ہونے کے وقت فرشتے بہت ہی لطیف صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور لوگوں کی سعادت اور شقاوت سے وابستہ ہیں۔ کسی کسی کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں کے سامنے اکابر کی روحیں بطور استقبال نمودار ہوتی ہیں۔ جب اس عالم کا کشف ہوتا ہے تو اس مقام کے رہنے والے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ رباعی: [1]

کسے راگر کشودہ چشمِ دیگر
نمایاں گرددش تمثال آتش

ترجمہ: جس کسی کی دوسری آنکھ کھولی گئی اس کے سامنے آگ کی صورت نمایاں ہوئی۔

اگر او از سعادت توشہ دارد
نماید صورت از عالی مکانش

ترجمہ: لیکن وہ شخص جس کا توشہ سعادت ہے تو اسے اس کا بلند مقام دکھا دیتے ہیں۔

وگر دارد شقاوت سیرتِ زشت
کشایند ہر زہ بد صور بآتش

ترجمہ: اور اگر وہ شقاوت کی بری سیرت کا حامل ہے تو اس کے سامنے بے ہودہ آتشیں صورتیں نمایاں کرتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ از روئے شریعت موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے روایت کرتے ہیں آپ انتہائی بڑھاپے میں اکثر ہندی زبان میں فرماتے تھے، ''بھلی نگری جو دھن پاوے'' اور کیوں نہ فرماتے جب کہ یہ گھر (دنیا) کسبِ کمالات اور حصولِ مقامات کی جگہ ہے۔ الدنیا مزرعة الآخرة یعنی دنیا آخرت کی کھیتی

---

[1] (اول تو یہ اشعار رباعی کے معروف وزن وبحر میں نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ اشعار چھ مصرعوں پر مشتمل ہیں جب کہ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں اسی بنا پر اسے ''رباعی'' یا چار مصرعوں والی نظم کہتے ہیں۔)

ہے۔ فرماتے تھے اے بھائی دنیا کو سرسری نہ سمجھو کہ یہ حصولِ مشاہدہ اور وصولِ معرفت کا مقام ہے۔ آیۂ کریمہ ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَفِي الاٰ خِرَةِ اَعْمٰى [۱] (جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا۔) قطعہ:

دریں جاگر نیابی صورتِ دوست
در انجا یا فتن دشوار باشد
کہ صیقل باید اوّل آئینہ را
پس آں گہ دیدن رخسار باشد

ترجمہ: اگر تو اس دنیا میں دوست کے دیدار سے محروم ہے تو آخرت میں اس نعمت کا پانا محال ہے۔ پہلے دل کے آئینے کی صیقل کرنی چاہیے اس کے بعد ہی اس میں چہرہ دیکھ سکتے ہو۔

---

[۱] پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۲